حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معاشی حکمت عملی اور عصرِ حاضر میں اس کے اطلاقی پہلوؤں کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of Hazrat Umar Farooq's Economic Strategy and its Application Aspects in the Present Age

DOI : 10.5281/zenodo.7293858

*فضل ہادی

**عدنان

Abstract

Real prosperity and success is not implied in the modern economic system because it is according to the laws made by humans. In the modern era, since the economic system is capitalist, the poor are getting poorer and the rich are getting richer.

The Prophet ﷺ laid the foundation of all the systems of Islam in his time in the light of the orders of the Lord of the worlds. While the Caliphs Rashiduns wrote down the best and easy Shari'ah for the Muslim Ummah by meticulously creating the consensus of the Ummah in these principles. The first caliph, Hazrat Abu Bakr Siddique, because he passed away in reforming the apostasy and deniers of zakat, while the second caliph, Hazrat Umar Farooq, who was the fruit of the prayers of the Holy Prophet, actually strengthened the religion from him. By laying the foundation stone of Police Department, Zakat and Agriculture Department and other systems, he presented organized systems based on strong laws. The fact is that in his time, justice was common not only to humans but also to animals.

Farooq-e-Azam is such a role model and chapter of knowledge for us in the economic system that his economic thoughts and laws can build a best economic system and it is clear as day that he has created a best system in his time. Stabilized the Islamic economic system. The orders related to the factors of production and how to use these resources for the welfare of the Islamic state and Muslims are guidelines for the modern economic system. The application of the economic strategies of Hazrat Umar in the modern era. This title was chosen to highlight aspects.

Key words: economic system, Farooq-e-Azam, modern era, Hazrat Abu Bakr Siddique, Rashiduns

*ایم فل سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، زرعی یونیورسٹی، پشاور

**پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف پشاور

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں گزری۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ساری زندگی مخلوق خدا کی خدمت اور بھلائی کے کاموں میں گزاری ہے۔ آپ ﷺ نے جہاں گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر گامزن کیا وہاں معاشرے میں پسے ہوئے طبقات کی بحالی کا کام سر انجام دیا۔ آپ ﷺ نے معاشی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حکومت کے استحکام کے لئے جو معاشی نظام عطا کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس حقیقی نظام کو با قاعدہ ملکی سطح پر انتظامی محکمہ جات کی صورت میں قائم کیا۔ جس نظام نے تمام طبقات کو متاثر کیا وہ نظام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ نے ملکی ترقی کے لئے مجلس شوریٰ، ٹیکس اور بیت المال کے شعبے قائم کئے۔ دفاع کے لئے فوج اور پولیس کا نظام مرتب کیا۔ عوام کی بھلائی کے لئے عدالت کا نظام، صوبوں کی تقسیم اور ڈاک کا نظام قائم کیا۔ آپ کے دور حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے معاشی نظام کے اہم پہلو درج ذیل تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا معاشی نظام

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ملک کے معاشی نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ٹیکس کے نظام کا نفاذ کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے زمینوں کی پیمائش اور غیر مسلم کاشت کاروں پر ان کی برداشت سے زیادہ ٹیکس نہیں لگانا چاہتے تھے۔ دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں ٹیکس کا نظام اتنا بہتر ہو گیا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرمانے لگے:

كان خراج السواد على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه مائة الف درهم. [1]

''امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سواد سے ایک لاکھ درہم ٹیکس وصول ہوا تھا''۔

ٹیکس کی وصولی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات

ٹیکس ملکی آمدن کا اہم ذریعہ ہوتا ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم سب شریک ہوتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا خیال رکھتے تھے ان پر ان کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہ ڈالتے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسلم فرماتے ہیں:

ان عمر رضى الله عنه كتب الى امراء الاجناد: ان لا يضربوا الجزية على النساء ولا على الصبيان. [2]

''حضرت عمر فاروقؓ نے سپہ سالاروں کو خط لکھا کہ وہ غیر مسلم عورتوں اور بچوں پر ٹیکس نافذ نہ کریں''۔

ٹیکس کی وصولی میں سختی کی ممانعت

ٹیکس کی وصولی ایک مشکل عمل ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دوسرے صوبے سے بہت سامال آیا۔ یہ مال ٹیکس سے ہی حاصل کیا جاتا تھا امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زیادہ مال کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ مال کسی پر ظلم یا سختی کر کے تو نہیں لائے۔ اس کو امام قدامہ بیان فرماتے ہیں:

انی لاظنکم قد اهلکتم الناس، قالوا: لا، واللہ، مااخذنا الا عفوا صفوا قال: بلا سوط ولا بوط، قالوا: نعم قال: الحمدللہ الذی لم یجعل ذلک علی یدی ولا فی سلطانی.[3]

''میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے یہ ٹیکس معافی اور نرمی کے ساتھ ہی وصول کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بغیر کسی سختی کے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے ہاتھ سے میری حکمرانی میں غیر مسلموں پر یہ زیادتی نہیں ہونے دی''۔

ٹیکس کی وصولی میں حسن سلوک اور نرمی کی تلقین

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ، فرمان رسول ﷺ کے مطابق اپنی رعایا سے نرمی برتتے تھے۔ ایک دفعہ شام کے سفر میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے عامل ٹیکس وصول کرنے کے لئے غیر مسلموں کو دھوپ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے عاملوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

فدعوهم، لاتکلفوهم مالا یطیقون، فانی سمعت رسول اللہ صلیٰ اللہ علیه وآله وسلم یقول: لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس في الدنیا یعذبهم اللہ یوم القیامة.[4]

''ان کو چھوڑ دو، ان کو ہر گز تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لوگوں کو عذاب نہ دو، بے شک جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا''۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کڑی سزا کو ترک کر دیا گیا۔ اسی طرح ہشام بن حکم نے حمص کے ایک غیر مسلم قبطی کو ٹیکس وصول کرنے کے لئے دھوپ میں کھڑا دیکھا۔ اس پر انہوں نے سرکاری افسر کی ملامت کی اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

ان اللہ یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا.[5]

''بے شک اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں''۔

عمر رسیدہ افراد کے لئے ٹیکس کی معافی

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں بلا رنگ و نسل و ملک و ملت رعایا کو آرام و سکون پہنچایا جاتا بلکہ ان کے لئے نرمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ غیر مسلم شہریوں کا نہ صرف ٹیکس معاف کر دیا جاتا تھا بلکہ ضعفاء کے لئے وظائف کا تعین بیت المال سے کیا جاتا تھا اور ان کی اور ان کے اہل خانہ کی کفالت بھی کی جاتی تھی۔

مشہور امام ابو عبید القاسم بن سلام "کتاب الاموال" میں اس امر کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

ان امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ مربشی من اھل الذمۃ، یسئال علی ابواب الناس: فقال: ما انضفناک ان کنا اخذنا منک الجزیۃ في شبیتک ثم ضیعناک في کبرک. قال: ثم اجری علیہ من بیت المال ما یصلہ.[6]

''بے شک امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ غیر مسلم شہریوں میں سے ایک بوڑھے شخص کے پاس سے گزرے جو لوگوں کے دروازوں پر بھیک مانگتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے تمہاری جوانی میں تم سے ٹیکس وصول کیا پھر تمہارے بڑھاپے میں تمہیں بے یارومددگار چھوڑ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی ضروریات کے لئے بیت المال سے وظیفہ کی ادائیگی کا حکم جاری فرمایا''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں زرعی اصلاحات کا نفاذ

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ان کے دست راست تھے اس لئے ان کی خدمات اسی دور سے شروع ہوگئی تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مصاحبت سے جو فیض ملا تھا اس کی وجہ سے رموز حکمرانی میں بڑے ماہر ہوگئے۔ 13ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رحلت کے بعد آپ خلیفہ مقرر ہوئے۔[7] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلیٰ درجے کی سرگرمی اور بڑی دانشمندی سے آبپاشی اور زمینوں کو سیر اب کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ سپہ سالاروں اور ملک کے افسران کے نام حکم نامے جاری کئے اور کہا کہ فتوحات سے اب ہاتھ اٹھاؤ اب تمہاری طرف یہ حکم صادر کیا جاتا ہے کہ پر امن آبادی میں کاشت کاری کی ترقی اور رفاہ عام کے اسباب جمع کئے جائیں اور رعایا کی توجہ سرسبزی کی طرف دلائی جائے۔ اس وقت داخلی طور پر حالات بڑے پر امن تھے اور دور دراز کے علاقوں میں اسلامی سلطنت کی یورش زوروں پر تھی۔ آپ نے ان مہمات سے واپس آتے ہی سب سے زیادہ اسی پر توجہ دی۔ عراق کا سرسبز و شاداب زمین کا ایک بڑا حصہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سلطنت اسلامی کی حدود میں شامل ہو چکا تھا۔[8]

کاشت کاری کے لئے ترغیب

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کاشت کاری کی اہمیت کے پیش نظر اپنے افراد کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے متعلق ارشاد فرمایا: تحقیقات کر کے کاشتکار و زراعت پیشہ افراد کو سب سے پہلے رہا کرو اور یہ عام قیدیوں سے صرف کاشت کاروں کی فوری رہائی کا بندوبست اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ ملک کی عوامی فلاح کا دارومدار اجناس وغلہ کی عام پیداوار پر ہے۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں ظبیان نامی شخص سے متعلق درج کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کو کس قدر وظیفہ ملتا ہے انہوں نے جواب دیا۔ اڑھائی ہزار درہم آپ نے فرمایا:

"یا ابا ظبیان اتخذ من الحرث"[9]

"اے ابوظبیان (وظیفہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے) کاشت کاری کو اپنالو"۔

بنجر زمینوں کی آبادکاری

کئی سالوں سے جو زمینیں بے آباد اور بنجر تھیں انہیں آباد کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اس سلسلے میں آپ کی تحریک بڑے موثر طریقہ سے شروع ہوئی۔ آپ نے اعلان کیا کہ زمانہ قدیم سے افتادہ چلی آنے والی زمینیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہیں پھر یہ ان کی جانب سے تمہارے لئے ہیں۔ پس جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اس کی ہوگئی اور صرف احاطہ بندی کرنے والے کا تین سال بعد کوئی حق باقی نہ رہ جائے گا۔ جو تین سال تک کسی قبضہ میں لی گئی زمین کو کاشت نہیں کرے گا، وہ اس سے چھین لی جائے گی۔ جہاں جہاں رعایا گھر بار چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے یہ اشتہار دیا کہ وہ واپس آکر انہیں زمینوں کو کاشت کریں۔ آپ نے حکومت کی طرف سے مفتوحہ علاقوں میں نہریں کھدوائیں، بند باندھے اور پانی کو تقسیم کرنے اور نہروں کے نکالنے کے انتظام کے لئے باقاعدہ محکمہ آبپاشی قائم کیا۔

علامہ مقریزی نے لکھاہے کہ:

"صرف مصر میں ایک لاک ھ بیس ہزار مزدور روزانہ آبپاشی کے اس کام میں لگے رہتے ہے۔ یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ نورستان اور اہواز کے اضلاع میں جزبن معاویہ نے آپ کی اجازت سے بہت نہریں کھدوائیں جن سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہوئیں"۔[10]

بے آباد زمینوں کو کاشتکاروں میں تقسیم کرنا

اسلام میں چونکہ زمین کا آباد ہونا اصل مقصد ہے۔ اس حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خصوصی توجہ فرمائی۔ جب بعض غریب کاشتکاروں نے بے آباد زمینوں کو آباد کیا۔ تو ان زمینوں کے اصل مالکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نالش کے لئے آگئے تو اس پر آپ نے فرمایا:

''تم لوگوں نے اب تک اپنی زمینوں کو غیر آباد چھوڑے رکھا۔ اب ان لوگوں نے جب اس کو آباد کرلیا ہے تو تم ان کو ہٹانا چاہتے ہو۔ مجھے اگر اس امر کا احترام پیش نظر نہ ہوتا کہ تم سب کو حضور ﷺ نے جاگیریں عنایت کی تھیں تو تم کو کچھ نہ دلاتا۔ اب میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس کی آبادکاری کا معاوضہ اگر تم دے دوگے تو زمین تمہارے حوالے ہو جائے گی اور اگر ایسا نہ کر سکے تو زمین کے غیر آباد کی حالت کی قیمت دے کر وہ لوگ اس کے مالک بن جائیں گے''۔[11]

اور ان لوگوں کو مزید فرمایا:

وان شئتم ردوا عليكم ثمن اديم الارض هى لهم[12]

''اگر تم چاہتے ہو کہ وہ تم کو زمین کی قیمت لوٹا دیں تو وہ (زمین) ان کی ہوگی''۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام حکم دیا کہ جس شخص نے تین برس کسی زمین کو بے آباد رکھا تو جو شخص بھی اس کے بعد اس کو آباد کرے گا اس کی ملکیت تسلیم کرلی جائے گی۔

اس حکم کا خاطر خواہ اثر ہوا اور بکثرت بیکار زمین و مقبوضہ زمینیں آباد ہوگئیں۔ امام ماوردی احکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں کہ قبیلہ مزینہ کے لوگوں کی جاگیریں یونہی پڑی تھیں۔ جس کی شکایت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی آپ نے فرمایا:

''جو شخص تین برس تک اپنی زمین یونہی چھوڑے رکھے اور دوسرا کوئی شخص آباد کرلے تو یہ دوسرا ہی اس زمین کا حق دار ہو جائے گا''۔[13]

کاشت کار کو بیت المال سے معاوضہ کی ادائیگی

فوج کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے مگر دوران سفر فوج کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو نقصان پہنچے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ

أَنَّ رَجُلًا أَتَى عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، فَقَالَ: «زَرَعْتُ زَرْعًا، فَمَرَّ بِهِ جَيْشٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ فَأَفْسَدُوهُ، فَعَوَّضَهُ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ»[14]

''ایک کاشتکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین میں نے کھیتی بوئی تھی۔ شام والوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور اس نے کھیتی کو پامال کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے دس ہزار درہم بطور معاوضہ دلوائے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں عراق، شام اور مصر کی فتوحات کے بعد زرعی اصلاحات کیں۔ کوئی بھی ذی شعور زراعت کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تمام اقوام کی تاریخ میں یہ حقیقت مشترک ہے کہ کوئی بھی ملک

زراعت کو ترقی دیئے بغیر ترقی اور خوشحالی کی منازل کو نہیں چھو سکتا۔ اسی طرح کسی بھی ملک میں زراعت اور کاشتکار ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتے ہیں۔ زراعت سے صنعت و تجارت کو خام مال دستیاب ہوتا ہے۔ اس طرح صنعت و تجارت کی ترقی کے لئے بھی زراعت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔[15]

شاہ ولی اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھتے ہیں:

''إِن كَانَ أَكْثَرهم مكتسبين بالصناعات وسياسةالْبَلدة، والقليل مِنْهُم مكتسبين بالرعي والزراعة فسد حَالهم فِي الدُّنْيَا''[16]

''اگر کسی شہر کے باشندے کثرت کے ساتھ صنعتوں اور ملکی سیاست میں مشغول ہوجائیں اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگ مویشی چرانے اور زراعت کے پیشہ سے منسلک ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہوجائے گی''۔

مذکورہ بالا اہمیت زراعت کو مد نظر رکھتے ہوئے اکثر فقہاء نے حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور عمل مبارک کے تحت زراعت کے پیشے کو فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے مثلاً عبد الرحمن الجزیری لکھتے ہیں:

اما الزرع فی ذاته سواء كان مشاركة اولا فهو فرض كفاية لاحتياج الانسان والحيوان اليه.[17]

''جہاں تک زراعت کا تعلق ہے خواہ یہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے اپنی ذات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں''۔

مفتوحہ اور سرکاری زمینوں سے متعلق فاروقی احکامات

مفتوحہ زمینیں اور مجاہدین

دور فاروقی میں مفتوحہ زمینوں سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین کی تقسیم سے اختلاف کیا اور فرمایا پھر ان مسلمانوں کا کیا بنے گا؟ جو بعد میں آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمینیں اور ان کے کاشت کار فاتحین میں تقسیم کردیئے گئے اور آبائی وراثت کے حقوق نے دوسروں کو ان سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیا ہیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا یہ کوئی رائے نہیں ہے۔ یہ زمینیں اللہ نے ان فاتحین کو فتح کی صورت میں دی ہیں اور صحیح بات بھی یہی ہے غیر مسلم کاشت کاروں کو کسی بھی صورت میں نہیں دی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا کہ یہ بات جو تم کہہ رہے ہو میری رائے اس کے حق میں نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

والله يا مفتح بعدي بلد فيكون فيه كبير نيل، بل عسى ان يكون كلا على المسلمين، فاذا قسمت ارض العراق بعلوجها، دارالشام يعلو جها فاذا تسد به الثغور وما يكون للذرية والارامل بهذا البلد وبغيره من ارض الشام والعراق.[18]

''واللہ میرے بعد ایسا کوئی شہر فتح نہ ہوگا۔ جس سے اتنا بڑا نفع حاصل ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ الٹا مسلمانوں پر بوجھ بن جائیں۔ پس اگر عراق و شام کی زمینیں اور ان کے کاشت کار فاتحین میں تقسیم کر دی جائے تو (اسلامی ریاست کی) سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی اور عراق و شام کے شہروں کی بیوائوں اور یتیموں کی کفالت کیوں کر کی جاسکے گی''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اولین کو جمع کیا اور ان میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف اپنی اسی بات پر ڈٹے رہے کہ فاتحین کے حقوق ان میں تقسیم کر دیئے جائیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہم خیال ہوگئے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کے دس سمجھ دار اشراف کو بلوایا۔ جن میں پانچ قبیلہ اوس کے اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے۔ ان میں سے کہا میں نے آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ اس امانت کی ادائیگی میں میری مدد کریں جو میں نے آپ ہی لوگوں کو صلاح و فلاح کے لئے اپنے ذمے رکھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ان لوگوں کی بات آپ نے سن لی ہے جو سمجھتے ہیں کہ میں ان کے حقوق پر دست اندازی کر رہا ہوں حالانکہ میں ظلم کی راہ اختیار کرنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں"۔[19]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بصیرت اور دور اندیشی کے پیش نظر ان سے فرمایا:

''زمینوں کے متعلق میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ عجمی کاشت کاروں ہی کے پاس رہنے دوں اور ان پر لگان عائد کر دوں۔ جزیہ وہ پہلے ہی سے دیتے ہیں۔ اس طرح یہ دونوں محاصل مسلمانوں کے لئے جن میں مجاہدین، عیال و اطفال اور آئندہ کی نسلیں شامل ہیں۔ فے ہو جائیں گے دیکھو! یہ سرحدیں ہیں جن پر حفاظتی چوکیاں قائم کرنی ناگزیر ہیں۔ یہ بڑے بڑے شہر جن کی نگرانی فوجی چھائونیوں کے بغیر ناممکن ہے اور ان دونوں چیزوں کے لئے روپے کا ہونا اشد ضروری ہے۔ پھر ان محافظین کو تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی۔ اگر زمینیں اور ان کے بونے اور جوتنے والے (غلام بنا کر) مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے؟''۔[20]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور فاتحین مجاہدین کے درمیان جو اپنے آپ کو عراق کی زمینوں کا حق دار سمجھتے تھے۔ بات اتنی شدت اختیار کر گئی تھی کہ انہوں نے امیر المومنین پر ظلم کی تہمت تک لگا دی تھی۔ اس کے باوجود بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے نہ ہٹے۔ چنانچہ ان سب نے یک زبان ہو کر کہا:

''آپ کی رائے اور مستقبل کے پیش نظر جو کچھ آپ نے سوچا اور فرمایا وہ درست ہے، ہم اسے تسلیم کرتے ہیں واقعی اگر ان سرحدوں اور ان شہروں میں حفاظتی چوکیاں اور فوجی چھاؤنیاں قائم نہ کی گئیں اور محافظین کی گزر بسر کے لئے ان کے روزینے مقرر نہ کئے گئے تو کفار دوبارہ اپنے شہروں پر قبضہ لیں گے''۔[21]

سرکاری زمینوں سے متعلق احکامات

ایران کی فتح کے بعد شاہ ایران کی زمینوں سے متعلق روایت ہے کہ مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسریٰ کی سرکاری زمینوں کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ تحریر کیا کہ وہ خالص سرکاری زمینیں جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں ان میں سے چار حصے فوج میں تقسیم کر دو اور اس کا پانچواں حصہ میرے پاس رہے گا اور اگر وہ وہاں سکونت اختیار کرنا چاہیں تو جو وہاں قیام کرے گا اسی کی زمین ہو گی۔ جب مسلمانوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا تو ان کی یہ رائے ہوئی کہ وہ بلاد عجم میں منتشر ہو کر نہ رہ جائیں لہذا انہوں نے اسے انہی کے لئے بر قرار رکھا وہ جس پر رضامند ہوتے تھے اس کو حاکم بناتے تھے پھر ہر سال اس کی پیداوار تقسیم کر لیتے تھے وہ اس کو حاکم بناتے تھے جس پر وہ خوشی اور رضامندی سے متفق ہوتے تھے۔ ان کی یہ حالت مدائن میں رہی اور جب وہ کوفہ کی طرف منتقل ہوئے تو اس وقت بھی ان کا یہی طریقہ رہا"۔

عن عبدالله بن ابی طيبة قال كتب عمر رضى الله عنه ان احتازو فئيكم ان لم تفعلوا فتقادم الامر بالحج وقد قضيت الذي على اللهم انى اشهدک عليهم فاشهد.[22]

''عبداللہ بن ابی طیبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر فرمایا: تم اپنا مال غنیمت حاصل کر لو کیونکہ اگر تم نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور دیر ہو گئی تو معاملہ خراب ہو جائے گا میں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے ہیں۔ اے اللہ! تو اس بات پر گواہ ہے"۔

موجودہ دور کا محصولاتی نظام

اسلامی محصولات کے ذرائع

اسلامی محصول (ضریبہ Tax) وہ محصول ہے جو اسلامی حکومت اپنے رعایا سے لیتی ہیں۔ مغربی نظامِ معیشت میں محصول (Tax) کو خاص مقام حاصل ہے جس میں حکومت غریب عوام کا خون چوستی رہتی ہیں۔ اسلام میں غریب سے کوئی محصول نہیں لیا جائے گا بلکہ امیروں اور دولت مندوں سے محصول، زکوۃ کی شکل میں لے کر غریب عوام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومتی آمدنی کے لیے عُشر، جزیہ، خراج وغیرہ عوام سے اُصول کیا جاتا ہے۔

زکوۃ: سونے اور چاندی یا تجارتی مال اور پیسے پر سال گزرنے کے بعد ڈھائی (2.5٪) فیصد زکوۃ واجب الادا ہوتی ہیں، جب یہ مال نصاب کو پہنچ جائے۔ اسی طرح مال مویشی پر زکوۃ 1٪ فیصد سے لے کر 2.5٪ تک ہیں۔

جزیہ: جزیہ وہ محصول ہے جو اسلامی حکومت غیر مسلموں پر ان کے جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں لگاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ ایک دینار یا بارہ 12 دراہم سالانہ تھی، جبکہ حضرت عمر کے دور میں ملکی ضروریات اور محصول کی آمدنی میں بڑھوتھری کے پیش نظر مالدار طبقے سے چار دینار، متوسط طبقے پر دو دینار اور نچلے طبقے سے ایک دینار محصول وصول

کیا جاتا۔ اس محصول سے عورتیں، نابالغ بچّے، بوڑھے، بیمار، اندھے یا لنگڑے، غلام، مسکین اور گداگر، دیوانے اور وہ غیر مسلم جنھوں نے اسلامی فوج میں شمولیت اختیار کی ہو، کو استثناء حاصل ہیں۔

عشر : عشر کے معنی ہے 'دسواں (حصّہ)'۔ یہ ایک زرعی محصول ہے جو صرف مسلمانوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر زمین قدرتی منبع سے سیراب ہوتی ہو مثلاً بارش، چشمے، ندی وغیرہ۔ تو اس پیداوار کا دسواں حصّہ (یعنی 10٪) محصول کی صورت میں حکومت لے گی جب کہ وہ زمین جو مصنوعی طریقے سے سیراب ہو مثلاً کنویں، ٹیوب ویل وغیرہ تو کل پیداوار کا بیسواں حصّہ (یعنی 5٪) عشر کی صورت میں وصول کیا جائے گا۔

خراج : غیر مسلم کے زرعی زمینوں کے پیداوار سے جو محصول وصول کیا جاتا ہے، اسے خراج کہتے ہیں۔

خمس : خمس کے معنی ہے "پانچواں (حصّہ)"۔ مال غنیمت، معدنیات، خزانوں اور سمندر سے نکالے گئے موتیوں پر 20٪ محصول لگانا خمس میں شامل ہیں۔ یعنی پانچواں حصّہ حکومت کو دینا پڑے گا۔

الفئے : الفئے کے معنی ہے 'واپس لوٹنا'۔ جب مسلمان کسی ملک یا علاقے کو فتح کرتے ہیں تو اس ملک پر لگائے گئے محصول کو فئے کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی علاقہ جنگ کے بغیر ہتھیار ڈال دیں، تو ان پر لگائے محصول کو بھی الفئے میں داخل کر دیا جائے گا۔

متفرّق محصولات : ان چھ بڑے محصولات کے علاوہ ضروریات کے تحت آپ دیگر محصولات کی بھی وصولی کر سکتے ہیں۔ مثلاً در آمدات اور بر امدات پر محصول وصول کرنا جو حضرت عمر نے دور میں نافذ ہوا۔ اس کے علاوہ اسلامی خلافت کے آمدنی کے دوسرے بہت سے محصولاتی اور غیر محصولاتی آمدنی ہوتی ہیں۔

موجودہ دور میں ہر حکومت فرائض سر انجام دیتی ہے۔ وہ ملک کو غیر ملکی حملہ آوروں سے بچاتی ہے۔ ملک کے اندر امن و امان بر قرار رکھنے کی ذمہ دار ہے۔ لوگوں کی معاشرتی فلاح و بہبود بھی حکومت کا فرض بن جاتی ہے۔ حکومت صحت عامہ، تعلیم اور سماجی بہبود کی خدمات بہم پہنچاتی ہے۔ ملک کی معاشی ترقی کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ ملک میں ہوائی اڈے تعمیر کرتی ہے۔ ریلوں اور سڑکوں کا جال بچھاتی ہے۔ بندر گاہیں تعمیر کرتی ہے لوگوں کے معیار زندگی کو بڑھانے کے لئے سعی کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا سب سے اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملک کی حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ ہو اور ملک میں مکمل روزگار کی صورت حال پیدا ہو۔

کامل روزگار سے مراد ایسی صورت حال ہے جس میں ان تمام لوگوں کو ان کی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق روزگار مہیا کیا جاتا ہے جو کہ کام کرنے کے اہل ہوں اور کام کرنا چاہتے ہوں۔ اس کے علاوہ حکومت معیشت کے مختلف شعبوں یعنی زراعت، صنعت، تجارت اور بینکاری نظام میں ترقی کے پروگرام بناتی ہے تا کہ ان شعبوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے کر معیشت کو مستحکم بنایا جائے ان سب فرائض کی تکمیل کے لئے حکومت کو مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔

حکومت براہ راست اور بالواسطہ ٹیکس لگا کر روپیہ اکٹھا کرتی ہے اس کے علاوہ بعض اوقات حکومت زائد نوٹ بھی چھاپ کر جسے ہم معاشی اصطلاح میں خسارے کی سرمایہ کاری (Deficit Financing) کہتے ہیں۔ اپنی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ کئی دفعہ وہ اندرونی اور بیرونی ذرائع سے قرضے حاصل کر کے بھی اپنے اخراجات کو پورا کرتی ہے۔ کسی بھی حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ٹیکس ہوتے ہیں۔ ٹیکس ایک ایسی لازمی ادائیگی ہے جو لوگ حکومت کو ادا کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں کسی قسم کا براہ راست مفاد کا مطالبہ نہیں کرتے۔ ٹیکسوں کی رقم لوگوں کے اجتماعی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتی ہے ٹیکسوں کی کئی قسمیں ہیں۔ عام طور پر ٹیکسوں کی دو اقسام ہیں۔

1. براہ راست ٹیکس (Direct Tax)
2. بلاواسطہ ٹیکس (Indirect Tax)

براہ راست ٹیکس اس کو کہتے ہیں جو جس پر لگے وہی ادا کرتا ہے جیسے یہ ٹیکس تنخواہوں، زمین و جائیداد اور کاروباری اداروں وغیرہ پر لگایا جاتا ہے جبکہ بالواسطہ ٹیکس درآمدات و برآمدات وغیرہ پر لیا جاتا ہے۔[23]

نوعیت کے اعتبار سے ٹیکسوں کی پانچ اقسام ہیں:

1. براہ راست ٹیکس (Direct Tax)
2. بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax)
3. متناسب ٹیکس (Proportional Tax)
4. مستزائد ٹیکس (Progressive Tax)
5. تنزیلی ٹیکس (Regressive Tax)

متناسب ٹیکس کی صورت میں ٹیکس عائد کرتے وقت ایک ہی شرح برقرار رکھی جاتی ہے۔ خواہ کسی شخص کی آمدنی کم ہو یا زیادہ سب پر ایک ہی شرح سے ٹیکس لگایا جاتا ہے۔

اگر آمدنی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ٹیکس کی شرح بھی بڑھتی چلی جائے اور آمدنی کے کم ہونے سے ٹیکس کی شرح بھی کم ہوتی جائے تو اسے مستزائد ٹیکس کہا جاتا ہے۔

تنزیلی ٹیکس ایسا ٹیکس ہے جس کی شرح بڑھتی ہوئی آمدنی کے ساتھ ساتھ گرتی چلی جاتی ہے۔

موجودہ دور میں ٹیکس عائد کرنے والے تین ادارے ہیں:

1. مرکزی حکومت: جو ٹیکس عائد کرتی ہے ان میں کسٹم ڈیوٹی، مرکزی ایکسائز ڈیوٹی، آمدنی ٹیکس، کاروباری ٹیکس وغیرہ شامل ہیں۔
2. صوبائی حکومتیں: اپنے دائرہ کار میں مالیہ، آبیانہ، پیشہ وارانہ ٹیکس، صوبائی ایکسائز ڈیوٹی، بجلی، موٹر گاڑیوں پر ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس وغیرہ وصول کرتی ہیں۔
3. مقامی حکومتیں: مثلاً کارپوریشن، میونسپل کمیٹیاں، ضلعی اور مقامی کونسلیں بھی صوبائی حکومتوں کی منظوری کے بعد کچھ ٹیکس عائد کرتی ہے۔ جن سے محصول چنگی، ٹول ٹیکس اور مختلف شرحیں ملتی ہیں۔[24]

مختصر یہ کہ کسی بھی حکومت کی آمدنی جن میں براہ راست ٹیکس اور بالواسطہ ٹیکس زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

فیڈرل بورڈ آف ریونیو (FBR) انکم ٹیکس وصول کرنے کا پابند حکومتی ادارہ ہے۔ اس کی بنیاد 1942ء میں رکھی گئی اور منسٹری آف فنانس کے زیر نگرانی کام کرتا تھا۔ اس کے بعد 1960ء تک یہ اسی طرح چلتا رہا۔ (FBR) کو بھی منسٹری آف فنانس کے ساتھ کر دیا گیا۔ اس ادارے کے وظائف میں مالی پالیسیوں کی نگرانی، وفاقی سطح پر ٹیکسوں کی وصولی شامل ہے۔ مگر اس میں بھی بہت بے ضابطگیاں پائی جاتی ہیں۔[25]

پاکستان جب وجود میں آیا تو یہ چند ایسے باضمیر باختہ افراد کے ہاتھ چڑھ گیا جنہوں نے پاکستان کو لوٹا اور اس خوشحال مملکت کو ابتدائی مراحل میں ہی اپاہج کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کام میں برسر اقتدار لوگ سب سے زیادہ پیش پیش رہے اور اس کے بعد امیر وڈیرے اور جاگیر دار طبقہ جس نے کبھی بھی حکومت کو مکمل ٹیکس نہیں دیا۔[26]

معروف تجزیہ نگار ڈاکٹر فرح سلیم کے مطابق پاکستان میں ٹیکس نظام کی ایک اور سب سے بڑی خامی بالواسطہ ٹیکسز ہیں۔ پاکستان میں جو ٹیکسوں کا نظام لاگو ہے اس میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ 60 فیصد ٹیکسز جو ہیں وہ بالواسطہ ٹیکس کی مد میں اکٹھے کئے جاتے ہیں اور 40 فیصد براہ راست ٹیکسز ہیں۔ بالواسطہ ٹیکس سے مراد یہ ہے کہ جیسے جیسے آپ کی آمدن کم ہوتی جاتی ہے اس ٹیکس کا آپ پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے ٹیکس سسٹم یہ کر رہا ہے کہ پورے پاکستان کی حکومت چلانے کا خرچ پاکستان کے کم آمدن والے طبقے پر بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔

ایف۔بی۔ آر کے ترجمان اسرار رؤف کے مطابق صرف کرپشن ہی مسئلہ نہیں بلکہ ٹیکسوں کی وصولی کے دائرہ کار میں اضافے کی بھی ضرورت ہے جس کے لئے متعدد اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔ آر ایس ٹی اسی چیز کو چیک کرنے کے لئے لایا جا رہا ہے کیونکہ ہمارے درمیان میں ہول سیلرز اور ڈسٹری بیوٹرز کی چین مس ہے اگر اس مسنگ کو ختم کر دیا جائے تو پانچ چھ سو بلین کا ریونیو بڑھ جائے گا جب ریونیو بڑھے گا تو ٹیکس کی شرح نیچے آ جائے گی۔[27]

اسرار رؤف کے مطابق گزشتہ 1328 ارب روپے کے ٹیکسز وصول کئے گئے اور اس سال یہ ہدف 1304 ارب روپے ہے۔ بقیہ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ ٹیکسوں کی رقم کے ضیاع سے متعلق اعداد و شمار سامنے آنے کے

حضرت عمر فاروق کے معاشی اصلاحات کا اطلاقی پہلو

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ مگر اس کا نظام اسلامی نہیں، اس کو اسلامی ڈگر پر چلانے کے لئے جو بھی نظام ترتیب دیا جائے وہ مقاصد شریعہ کے مطابق ہو۔ دور فاروقی کی اصلاحات کی روشنی میں پاکستان میں معاشی نظام کو ان خطوط پر استوار کرنا چاہیئے۔

1. ٹیکس جمع کرنے والا عملہ ایماندار ہو۔
2. عملہ معین مقدار میں ہو اتنا زیادہ نہ ہو کہ ٹیکسوں کی آمدنی کا بڑا حصہ ان کی تنخواہوں میں چلا جائے۔
3. غیر ضروری اخراجات کو دفاتر میں کم کیا جائے۔ حقوق کی ادائیگی کے لئے کارکنوں کو سہولت مہیا کی جائے۔ رشوت خوری اور حرام مال کھانے کے مواقع کم ہوں۔ یہ سچ ہے کہ جب کارکنوں کی قومی سطح پر اصلاح ہوتی ہے تو چھوٹے کارکنوں کی اصلاح کے احوال خود بخود سامنے آتے ہیں۔ جب اس طرح کے اعمال پر کام کیا جائے گا تو پبلک کے لئے وہ سارا مال بچ جائے گا جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں گے اور نقصانات کے امکانات کم ہوں گے۔
4. حضرت عمر اپنے دور میں قحط کے دوران ایسے گھوڑے پر سوار ہوئے کہ جس کی لید میں جو کے دانے پائے گئے۔ آپ اس سے اتر گئے اور فرمایا کہ جب تک لوگوں سے قحط نہیں ہٹتی میں ایسے گھوڑے پر نہیں بیٹھوں گا۔[28]
5. بحران میں ان وسائل کو اپنانا کہ جس سے بحران کو اثر لوگوں پر کم پڑے جیسا کہ حضرت عمر نے رمادۃ (قحط سالی) میں مصر اور حجاز سے امدادی ترسیل میں تیزی کے لیے نہر بنوائی۔ دورِ جدید میں اس کا اطلاقی پہلو یہ ہے کہ راشن پہنچانے والی گاڑیوں کے لیے بہترین روڈ قائم کیے جائے اور ان کو بآسانی بحران زدہ علاقے میں پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ چونکہ آج کل ٹریفک کے مسائل زیادہ ہیں اس لیے ان گاڑیوں کے لیے راستے فراہم کیے جائے۔
6. ذخیرہ اندوزی اسلام میں حرام ہے لیکن قحط میں آپ نے چوری اور ذخیرہ اندوزی میں رعایت کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ضرورت کھانے کی تھی اور اسباب میسر نہیں تھے اس لیے حد سرقہ اور ذخیرہ اندوزی میں رعایت فرمائی۔ دورِ جدید میں صحرائے تل اور دیگر آپریشن زدہ علاقوں میں اگر لوگ کھانے کے لیے چوری کرتے ہیں تو اس قانون کے تحت ان سے رعایت برتی جاسکتی ہے۔ البتہ وسائل کو تیزی سے لگانے کی حکمت ملتی ہے۔ عوام کو راشن وقت پر دینا چاہیئے۔[29]

7. زکوۃ و عشر کی موجودگی میں اسلامی ریاست کے نظام میں دولت ٹیکس کا کوئی جواز نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نظام زکوۃ کی درستگی کے لئے مختلف کام کئے جائیں اور نئی اصلاحات کے ساتھ اس کو نافذ کیا جائے۔ اگر صرف نظام زکوۃ و عشر ہی درست ہو جائے تو اسلامی دنیا میں باقی کسی ٹیکس کی ضرورت نہیں رہتی۔

8. منصفانہ تبدیلی ٹیکس کے نظام میں لائی جائے۔ کوئی شخص ناجائز سرمایہ اکٹھا نہ کر سکے اور ہر شخص مکمل ٹیکس ادا کر سکے اور جو چیز اقتصادی تباہی کا ذریعہ بنتی ہے وہ یہ ہے کہ جب لوگوں پر ٹیکس واجب کر دیا جاتا ہے تو اس وقت ٹیکس سے بچنے کے لئے مختلف لائحہ عمل اپنائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے حکومتی خزانہ خالی رہتا ہے اس رویے کو ختم کیا جائے۔

9. حکومتی کارکنوں کے ہاتھ میں ہی ٹیکس اور اقتصادی اموال نہیں ہونے چاہئیں۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے مختلف تنظیموں کے لوگوں کو بھی شریک کیا جائے تاکہ حکومت اقتصادی نظام کو اچھے طریقے سے چلا سکے اس سے یہ بھی فائدہ حاصل ہو گا کہ حکومت اور عوام کے درمیان یکساں اعتبار رہے گا اور اقتصادی مسائل کم ہوتے جائیں گے۔

10. ٹیکس چوری اور ٹیکس چوری کرنے کے ناجائز ذرائع کا خاتمہ کیا جائے اس کے لئے عوام کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے۔ پہلے اس پر حکومت خود عمل کرے گی تو عوام عمل کریں گے۔ کیونکہ قوم کی فلاح و بہبود اور شرعی مسائل پر ٹیکسز کو خرچ کیا جاتا ہے نہ کہ اسے سرکاری ضیافتوں، نام نہاد سرکاری رسومات، کھیل تماشے اور سرکاری افسران کے بنگلوں کی تعمیر پر اڑایا جائے۔

11. کالج سکول اور فنی تعلیمی ادارے کھولے جائیں جہاں غریبوں کو مفت تعلیم دی جائے جیسا کہ 1990ء کی دہائی میں بھی ایسا کیا گیا اور اس کے نتائج مثبت آئے اور اس میں اضافہ کیا جائے اور افراد کو ٹیکس میں چھوٹ دی جائے۔

12. جو ٹیکس حکومت عوام پر لگائے گی ان کی تعداد زیادہ نہ ہو ٹیکس تھوڑا ہو مگر اس سے منافع اتنا ہو جو حکومت کے فلاحی اور شرعی اخراجات و اختیارات پورے کر سکے۔

13. حکومت اسراف و تبذیر سے بچے اور ملکی سرمایہ کو بچائے تاکہ طبقوں کی لڑائی کا معاشرے میں خاتمہ ہو سکے۔

14. ٹیکس صلاحیت کی بناء پر لگایا جائے نہ کہ ٹیکس پیداوار پر لگایا جائے۔ اس کی شرح برابری پر ہو۔ انٹرمیڈیٹ یعنی ثانوی اشیاء پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔ بنیادی ضروریات پر بھی ٹیکس نہ لگایا جائے۔ جو اشیاء وصول کی جائیں اور جو اشیاء بیچی جائیں ان کی درجہ بندی کی جائے یعنی مختلف اقسام کے مال پر ٹیکس کی مقدار مقرر کی جائے جس میں خام مال اور مصنوعات ہیں اور یہ مقرر شدہ ٹیکس درآمدات و برآمدات کنندگان اچھی طرح جانتے ہیں۔

15. ملازم طبقہ جن کی تنخواہیں کم ہیں نقصان میں رہتا ہے کیونکہ اس طبقے کو براہ راست اور بالواسطہ ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ملازم اور غریب طبقے پر ٹیکس کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ مشکل سے زندگی گزارنے والے غریب طبقات

مختلف پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کی تنخواہیں کم ہوتی ہیں جبکہ ٹیکسوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر ٹیکس لگانا ہے تو تنخواہوں میں بھی اس حساب سے اضافہ ہونا چاہیئے۔[30]

خلاصۃ البحث

کسی بھی مملکت اور ریاست کو ملکی انتظامی امور چلانے کے لیے، مستحقین کی امداد، سڑکوں، پلوں اور تعلیمی اداروں کی تعمیر، بڑی نہروں کا انتظام، سرحد کی حفاظت کا انتظام، فوجیوں اور سرکاری ملازمین کو مشاہرہ دینے کے لیے اور دیگر ہمہ جہت جائز اخراجات کو پورا کرنے کے لیے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اوران وسائل کو پورا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ، خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک عہد اور ان کے بعد کے روشن دور میں بیت المال کا ایک مربوط نظام قائم تھا اور اس میں مختلف قسم کے اموال جمع کیے جاتے تھے، مثلاً:

1۔ "خمسِ غنائم" یعنی جو مال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہو اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بعد باقی پانچواں حصہ۔

2۔ مالِ فیئ یعنی وہ مال جو بغیر کسی مسلح جدوجہد کے حاصل ہو۔

3۔ "خمسِ معادن" یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں سے پانچواں حصہ۔

4۔ "خمسِ رکاز" یعنی جو قدیم خزانہ کسی زمین سے برآمد ہو، اس کا بھی پانچواں حصہ۔

5۔ غیر مسلموں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور ان کا جزیہ اور ان سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور وہ اموال جو غیر مسلموں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحانہ طور پر حاصل ہوں۔

6۔ "ضوائع" یعنی لاوارث مال، لاوارث شخص کی میراث وغیرہ۔

لیکن آج کے دور میں جب کہ یہ اسباب ووسائل ناپید ہوگئے ہیں توان ضروریات اور اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ٹیکس کا نظام قائم کیا گیا؛ کیوں کہ اگر حکومت ٹیکس نہ لے تو فلاحی مملکت کا سارا نظام خطرہ میں پڑ جائے گا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ مروجہ ٹیکس کے نظام میں کئی خرابیاں ہیں، سب سے اہم یہ ہے کہ ٹیکس کی شرح بعض مرتبہ نامنصفانہ بلکہ ظالمانہ ہوتی ہے اور یہ کہ وصولی کے بعد بے جا اسراف اور غیر مصرف میں ٹیکس کو خرچ کیا جاتا ہے، لیکن بہر حال ٹیکس کے بہت سے جائز مصارف بھی ہیں؛ اس لیے امورِ مملکت کو چلانے کی خاطر حکومت کے لیے بقدرِ ضرورت اور رعایا کی حیثیت کو مدِّ نظر رکھ کر ٹیکس لینے کی گنجائش نکلتی ہے۔

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق اگر حکومت کے جائز مصارف دیگر ذرائعِ آمدنی سے پورے نہیں ہوتے تو چند شرائط کے ساتھ حکومت کو اپنے مصارف پورا کرنے کے لیے ٹیکس لینے کی اجازت ہوگی:

1۔ بقدرِ ضرورت ہی ٹیکس لگایا جائے۔

2۔ لوگوں کے لیے قابلِ برداشت ہو۔

3۔ وصولی کا طریقہ مناسب ہو۔

4۔ ٹیکس کی رقم کو ملک وملت کی واقعی ضرورتوں اور مصلحتوں پر صرف کیا جائے۔

جس ٹیکس میں مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ نہ کیا جاتا ہو تو حکومت کے لیے ایسا ٹیکس جائز نہیں، اور ایسا ٹیکس لینے والوں کے متعلق احادیث میں وعید آئی ہے۔

نتائج

1. حضرت عمرِ فاروق کے معاشی اصلاحات دورِ جدید کے لیے مشعلِ راہ ہے۔
2. جو معاشی اصلاحات حضرت عمرِ فاروق نے کیے ہیں دورِ جدید میں ان طریقوں کو عمل میں لا کر قومی خزانہ (بیت المال) کو منظم کیا جاسکتا ہے۔
3. اسلامی نظامِ معیشت میں جزیہ یعنی ٹیکس کو کافی اہمیت حاصل ہے۔
4. جو رقم وصول کیا جائے اس کو فلاحِ مملکت کے لیے استعمال میں لایا جائے۔
5. قومی مال کو بے جا صَرف کرنا، اس کو اپنی مفاد اور ضرورتوں کے لیے استعمال کرنا بالکل جائز نہیں۔
6. بحران میں آپ نے نہریں کھودوائیں اور لوگوں کو راشن میسر فرمایا۔

حواشی و حوالہ جات

1 بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، امام ابی العباس، فتوح البلدان، موسسۃ المعارف، بیروت، 1403ھ، ص،270۔

2 عبد الرزاق، ابو بکر بن ھمام بن نافع، المصنف، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، 1403ہ، ج6، ص85، رقم:10009۔

3 ابن قدامہ، ابو محمد عبد اللہ بن احمد المقدسی، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1405ہ، ج9، ص290۔

4 ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم، کتاب الخراج، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ص:135

5 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، السنن، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1994ء، ج3، ص106، رقم:3045

6 ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1988ء، ص،57، رقم:119۔

7 السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، سعودی عرب، 1425ھ، 2004ء، ج1، ص88۔

8 ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1410ھ، 1990ء، ج2، ص233۔

9 البخاری، ابو عبد اللہ محمد ابن اسماعیل بن ابراہیم، الادب المفرد، تحقیق محمد فواد عبد الباقی، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، 1409ھ، 1989ء، باب الابل عزلاھلھا، ج1، ص202، رقم الحدیث:576۔

10 المقریزی، تقی الدین احمد بن علی بن عبد القادر، الضوء الساری، مخطوطہ، ج1، ص23۔

11 السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء،،ج1، ص115۔

12 ابن زنجویہ، ابو احمد حمید بن مخلد بن قتیبہ، الاموال لابن زنجویہ، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ، السعودیہ، 1406ھ، 1986ء، باب احیاء الارض واحیازھا، ج2، ص643، رقم الحدیث:1061۔

13 ابن زنجویہ، ابو احمد حمید بن مخلد بن قتیبہ، الاموال لابن زنجویہ، ج2، ص643، رقم الحدیث:1062۔

14 ابن شیبہ، ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، تحقیق کمال یوسف الحوت، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1409ھ، ج7، ص175، رقم الحدیث:35100۔

15 ابن زنجویہ، ابو احمد حمید بن مخلد بن قتیبہ، الاموال لابن زنجویہ، ج2، ص643، رقم الحدیث:1062۔

16 الدھلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغۃ، دارالجیل، بیروت، لبنان، 1426ھ، 2005ء، باب من ابواب ابتغاء الرزق، ج2، ص163۔

17 الجزیری، عبدالرحمٰن بن محمد عوض، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ، 2003ء، باب حکم المزارعۃ ورکنھا وشروطھا ومایتعلق بذلک، ج3، ص15۔

18 السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء،،ج1، ص116۔

19 ابن زنجویہ، ابو احمد حمید بن مخلد بن قتیبہ، الاموال لابن زنجویہ، ج2، ص643، رقم الحدیث:1063۔

20 ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ،، ج7، ص166۔

21 ایضاً

22 ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ،، ج7، ص168۔

23 https://ur.warbletoncouncil.org

24 https://ur.kyaaml.org

25 مجاہد حسین، کون بڑا بد عنوان، یوسف مارکیٹ، لاہور، ص،56۔

26 ایضاً

27 شکور رحیم: حالات حاضرہ ادارت: افسر اعوان، پاکستان میں ٹیکسوں کے 600 ارب روپے کی پیش نظر، http:www.dwde

28 محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبریٰ، ج 3، ص 237۔

29 الطبری، محمد بن جریر بن یزید، تاریخ الرسل والملوک، ج 4، ص 100۔

30 مجاہد حسین، کون بڑا بد عنوان، ص،60 تا 66۔